مولانا اختر امام عادل

غیر مسلم ملکوں میں قیام وسکونت کی شرعی حیثیت

موجودہ دور میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد غیر مسلم ملکوں میں آباد ہے، صرف ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صحیح اعداد وشمار کے مطابق قریب ۳۰ رکروڑ سے کم نہیں ہے، جو اس وقت دنیا کے کسی ایک ملک میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔

چین میں پندرہ کروڑ، متحدہ روس میں دو کروڑ، یورپ میں ایک کروڑ اسی لاکھ، امریکہ میں اسی لاکھ مسلمان آباد ہیں، اسی طرح افریقی ملکوں مثلاً تنزانیا، اوگنڈا، کینیا اور جنوبی افریقہ اور ایشیائی ملکوں میں سنگاپور، سری لنکا، نیپال وغیرہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد مقیم ہے۔

غیر مسلم ملکوں کے مسائل میں شرعی طور پر سب سے پہلا سوال ان ملکوں میں قیام وسکونت کی شرعی حیثیت کا اٹھتا ہے، کہ مسلمانوں کے لیئے غیر اسلامی ملکوں میں قیام کرنا اور وہاں آباد ہونا شرعی طور پر کیسا ہے؟ مسلم ملکوں کے ان مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ کافی اہمیت کا حامل ہے، جو اپنا وطن چھوڑ کر غیر مسلم ملکوں میں منتقل ہو چکے ہیں، اور دوبارہ لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ کیا اسلامی نظام چھوڑ کر غیر اسلامی نظام میں پناہ ڈھونڈھنا اور مسلم حکمرانوں کے دائرہ اطاعت سے نکل کر غیر مسلم حکمرانوں کی بالادستی قبول کرنا جائز ہے؟

یہ سوال انتہائی قدیم ہے۔ ائمہ اربعہ کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے، البتہ حالات کے فرق سے اب مسئلہ کی وہ حساسیت باقی نہیں رہی، جو پہلے سمجھی جاتی تھی۔

مسئلہ کی دو بنیادیں:

اس مسئلہ کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے دو بنیادوں پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

(۱) جس غیر مسلم ملک میں کوئی مسلمان قیام پذیر ہے یا قیام کرنا چاہتا ہے قانونی اور سیاسی طور پر ایک مومن کے لیے وہاں کی صورت حال کیا ہے؟ صورت حال کے فرق سے حکم میں فرق آئیگا۔

(۲) وہاں قیام کا سبب اور محرک کیا ہے؟ سبب کے اختلاف اور محرکات کے فرق سے بھی حکم میں فرق پیدا ہوگا۔

غیر مسلم ملکوں کی قسمیں:

فقہاء نے سب سے زیادہ جس چیز کو اہمیت دی ہے، وہ پہلی بات ہے، فقہاء نے غیر مسلم ملکوں کو تین حصوں میں

تقسیم کیا ہے، اوران تینوں کے جداگانہ احکام بیان کیے ہیں، کتب فقہ میں اس سلسلے میں بڑی تفصیل ملتی ہے، ہم یہاں اس ذیل میں ہونے والی بحثوں کا صرف خلاصہ پیش کرتے ہیں:

(ا) پہلی قسم ان غیر مما لک کی ہے جہاں بحیثیت مسلمان کسی شخص کا قیام سخت مشکل ہو، جہاں اپنے اور اپنی نسلوں کے دین وایمان یا جان و مال یا عزت وآبرو کو شدید خطرات درپیش ہوں، دین وایمان اور نسلوں کے تحفظ کی کوئی ضمانت وہاں موجود نہ ہو۔ مذہبی آزادی نہ ہو، دین پر قائم رہ کر وہاں رہنا ممکن نہ ہو، جو عہد اول میں ہجرت مدینہ سے قبل کی صورت حال تھی، ایسے ملکوں میں جانا یا وہاں قیام کرنا باتفاق فقہاء کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں؛ بلکہ جو لوگ وہاں پہلے سے آباد ہوں اور وہ کسی مسلم یا پر امن ملک کی طرف ہجرت کرنے کی قدرت رکھتے ہوں تو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

(حوالہ کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں: احکام القرآن للجصاص: ج ۳،ص:۲۲۸، مغنی المحتاج للشربینی، ج:۶،ص:۵۴،الأمُ للشافعی، ج:۲،ص:۱۶۹،الحاوی الکبیر للماوردی ،ج:۱۸،ص:۳۱۱، روضۃ الطالبین للنووی، ج:۷،ص:۴۷۴،کشاف القناع للبہوتی، ج:۳،ص:۴۳،الانصاف للمرادوی، ج:۴،ص:۱۲۱،البحر الذخار لابن المرتضی، ج:۶،ص:۲۶۶، نیل الاوطار للشوکانی .... شرح النیل وشفاء العلیل لاطفیش، ج:۷،ص:۵۵۱، المحلی لابن حزم، ج:۱۱،ص:۲۰۰،المدونۃ الکبری للامام مالک، ج:۵، ص:۱۵۶۵،مقدمات ابن رشد مع المدونۃ الکبریٰ، ج:۹،ص:۳۱۵۹)

البتہ شافعیہ نے اس حکم سے ان مسلمانوں کا استثناء کیا ہے جن کے وہاں قیام میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت مضمر ہو اور ذاتی طور پر وہ لوگ ایمان کی حفاظت کے ساتھ غیر مسلموں کی طرف سے پیش آنے والے خطرات اور اذیتوں کا مقابلہ کر سکتے ہوں، ایسے حضرات کے لیے مسلم ملکوں کے بجائے غیر مسلم ملکوں میں قیام کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔ (مغنی المحتاج للشربینی، ج۶ ص ۵۴، الحاوی للماوردی ج۱۸ص۱۱۱، تحفۃ المحتاج للھیثمی ج۴ص۲۱۱)

اس کا ماخذ دراصل یہ آیت کریمہ ہے:

ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا (سورۂ نساء:۷۹)

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتہ قبض کرتے ہیں تو ان سے

کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے، وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے، فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔" (ترجمہ ماجدی)

اس آیت کریمہ میں ایسی سرزمین پر اقامت اختیار کرنے کو ظلم اور بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے جہاں انسان اپنے دین وایمان کی حفاظت نہ کر سکے، بشرطیکہ انسان وہاں سے نکلنے اور کسی مناسب مقام پر قیام کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔
(الکشاف للزمخشری ج۱ص۵۵۵)

پھر ایسے ملک میں جانے اور قیام کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسری قسم ان غیر اسلامی ممالک کی ہے، جہاں کھل کر دین پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو، مسلمان وہاں کمزور اقلیت کی زندگی گذار رہے ہوں، جہاں جان ومال اور عزت وآبرو پہ خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے ہوں، مگر مسلمانوں کے لیے کوئی دوسری جائے ہجرت نہ ہو، یا ہجرت کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں، اور اس طرح وہ وہاں رہنے پر مجبور ہوں، ایسے مسلمانوں پر باتفاق فقہاء ہجرت واجب نہیں ہے۔ اور ان ملکوں میں اقامت ان کے لیے باعث گناہ نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج۳ص۲۲۸، فتح العلی المالک لوملیش ج۷ص۳۷۵-۳۷۶، مغنی المحتاج للشربینی ج۴ص۳۳۹، الحاوی الکبیر للماوردی ج۱۸ص۱۱۱، کشاف القناع للبھوتی ج۳ص۴۴، المحلی لابن حزم ج۱۱ص۲۰۰، البحر الزخار لابن المرتضی ج۶ص۴۶۹، شرح الازھار لابن المفتاح ج۴ص۵۷۵)

اس حکم کا ماخذ بھی مذکورہ بالا آیت کریمہ کا اگلا ٹکڑا ہے۔

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لایستطیعون حیلۃ ولایھتدون سبیلا فاولئک عسی اللہ ان یعفوعنھم وکان اللہ عفوا غفورا. (النساء:۹۸-۹۹)

ترجمہ: بجز ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزور ہوں (کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہوں، اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں، تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا۔ (ترجمہ ماجدی)

اس آیت میں کمزور اور مجبور لوگوں کو حکم ہجرت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، مگر یہ حکم اس وقت ہے جب تک ان کے لیے ہجرت کی کوئی سبیل نہیں بن جاتی۔

(۳) تیسری قسم ان غیر اسلامی ممالک کی ہے، جہاں مسلمانوں کے لیے بحیثیت ایک اقلیت کوئی خطرہ نہ ہو، مذہبی آزادی حاصل ہو، اپنے یا اپنی نسلوں کے دین وایمان کو مکمل تحفظ فراہم ہو، ایسے ملکوں میں اقامت اختیار کرنے کے

بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایسے ملکوں میں جانا یا رہنا بھی جائز نہیں۔ اگر قدرت میسر ہو تو مقیم مسلمانوں کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے، یہ رائے فقہاء مالکیہ کی ہے، اور شافعیہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ملتا ہے۔ (المدونة الكبرى للامام مالک ج۵ ص ۱۵۶۵، مقدمات ابن رشد مع المدونة الكبرى ج۹ ص ۳۱۵۹)

مالکیہ کے نزدیک علی الاطلاق غیر اسلامی ملکوں میں قیام کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہاں دین پر عمل کرنے کی قدرت میسر ہو یا نہ ہو۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ ایسے ملکوں میں قیام کرنا درست ہے، اور مقیم مسلمانوں کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں، یہ رائے حنفیہ اور حنابلہ کی ہے، اور شافعیہ کا صحیح مسلک بھی یہی ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج۲ ص ۳۰۵، اعلاء السنن للتھانوی ج۱۲ ص ۳۶۱، کشاف القناع للبھوتی ج۳ ص ۴۴، فتاوی ابن تیمیه ج۴ ص ۲۸۰، روضة الطالبین للنووی ج۷ ص ۴۷۴، مغنی المحتاج للشربینی ج۶ ص ۵۴)

قائلین عدم جواز کے دلائل:

جو فقہاء ان ملکوں میں قیام کو جائز قرار نہیں دیتے ان کے پیش نظر درج ذیل بنیادیں ہیں: (۱) حضرت معاویہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ...... نے فرمایا:

لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة ولاتنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها. (ابوداؤد کتاب الجهاد، باب في الهجرة هل انقطعت حديث (٢٤٦٢) الفتح الرباني لترتيب مسند الامام احمد بن جنبل ج۲۰ ص۲۹۶)

ترجمہ: ہجرت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ توبہ کا دروازہ بند نہ ہو، اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ السعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ...... نے ارشاد فرمایا:

لاتنقطع الهجرة ماقوتل الكفار وفي رواية، لا تنقطع الهجرة مادام العدو يقاتل. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب السير باب الرخصة في الاقامة بدار الشرک لمن لا يخاف الفتنة ج٩ ص ١٨، الفتح الرباني لترتيب مسند امام احمد بن حنبل ج ٢٠ ص ٢٩٥، نسائي، كتاب البيعة، باب ذكر الاختلاف في انقطاع الهجرة، رقم ۴۱۸۳-۴۱۸۴)

ترجمہ: ہجرت اس وقت تک بند نہ ہوگی جب تک کفار سے جہاد کا سلسلہ جاری ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا عمل تا قیام قیامت جاری رہے گا، اور ظاہر ہے کہ اس حکم کے مخاطب غیر اسلامی ملکوں کے مقیم مسلمان ہی ہیں، اس لیے ان تمام پر لازم ہے وہ کسی بھی غیر اسلامی ملک میں اقامت اختیار نہ کریں، اور فریضۂ ہجرت پر عمل کرتے ہوئے، غیر اسلامی ملکوں سے نقل مکانی کرلیں، اس سے قدرتی طور پر یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ جب غیر اسلامی ملکوں میں مقیم مسلمانوں کو ان ملکوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جارہا ہے، تو مسلم ملکوں سے منتقل ہوکر وہاں جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟

ان روایات پر سند اور استدلال دونوں لحاظ سے کلام کیا گیا ہے، حضرت معاویہ کی روایت سند کے اعتبار سے متکلم فیہ ہے۔

(عون المعبود لشمس الحق عظیم آبادی ج۷ ص ۱۵۶، نیل الاوطار للشوکانی ج۸ص۲۶)

اس روایت کی سند میں ابو ہند البجلی ہیں ان کو ابن القطان نے مجہول قرار دیا ہے۔ (تهذيب التهذيب، ج:۱۰،ص:۲۹۹)

ایک دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن ابی عوف کو بھی ابن القطان نے مجہول کہا ہے۔ (تهذيب التهذيب لابن حجر، ج:۵،ص:۱۵۴)

اسی طرح عبداللہ السعدی کی روایت میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا، ابن حبان نے کہا کہ حدیث میں بہت غلطیاں کرتے ہیں، اس طرح بقول محدث ابن خزیمہ" روایت قابل استدلال نہیں رہی۔ (ميزان الاعتدال للذهبي ج۱ص۲۴۱-۲۴۴)

اور اگر روایات صحیح اور لائق استدلال بھی ہوں تو بھی انکا محمل وہ ممالک بن سکتے ہیں، جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، جہاں دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو کو شدید خطرات لاحق ہوں، مسلمان وہاں سے ہجرت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور کسی اسلامی ملک نے ان کیلئے اپنے دروازے کھول دیئے ہوں، ان احادیث کو علی الاطلاق تمام غیر اسلامی ملکوں پر منطبق نہیں کیا جاسکتا ہے، اسلیے کہ غیر اسلامی ملکوں میں قیام کی اجازت کی روایات بھی موجود ہیں۔ (سبل السلام للصنعاني ج۴ص۸۶، تحفة الاحوذي للمباركفوري ج۵ص۲۱۵)

دوسرا استدلال:

دوسرا استدلال ان روایات سے کیا گیا ہے، جن میں مشرکین کی آبادیوں کے درمیان مسلمانوں کو اقامت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ

......نے ارشاد فرمایا:

انا بریٔ من کل مسلم یقیم بین اظهر المشرکین قالوا یارسول الله ولم؟ قال لاترایٰ ناراهما.

(ترمذی کتاب السیر، باب ماجاء فی کرهیة المقام بین اظهر المشرکین، حدیث۱۶۵۴، ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب النهی عن القتل من اعتصم بالسجود حدیث ۲۶۲۸، نسائی، کتاب القسامة، باب القود بغیر حدید مرسل، حدیث۴۷۹۴)

ترجمہ: میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیوں؟ آپ......نے ارشاد فرمایا دونوں اتنی دور رہیں کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم......نے فرمایا:

لاتساکنوا المشرکین ولاتجامعوهم فمن ساکنهم اوجامعهم فهو مثلهم.

(السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب السیر، باب الرخصة فی الاقامة بدار الشرک لمن لایخاف الفتنة ج۹ص۱۸،جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی ج۵ص۲۳۰)

وفی روایة: من جامع المشرک وسکن معه فانه مثله. (ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی الاقامة بارض الشرک، حدیث ۲۷۷۰)

ترجمہ: مشرکوں کے ساتھ نہ رہو اور نہ ان کے ساتھ اکٹھے ہو، جو ان کے ساتھ رہے گا یا اکٹھے ہوگا وہ انہی کی طرح سمجھا جائے گا۔

ان روایات سے صراحتاً غیر مسلموں کے درمیان سکونت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ روایات بھی کلام سے خالی نہیں ہیں، مثلاً حضرت جریر بن عبداللہ کی حدیث مرسل ہے یا متصل؟ اس میں محدثین کے درمیان اختلاف ہوا ہے، اور امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابوداؤد وغیرہ نے اس کے ارسال والی بات کو ترجیح دی ہے۔ (تحفة الاحوذی شرح الترمذی ج۵ص۲۳۰)

دوسرے اس کی سند میں ایک راوی ابومعاویہ الضریر ہیں، ان کا نام محمد بن خازم التیمی ہے، ابن خراش اور عبداللہ بن احمد کی رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ صرف اعمش کی روایات کی حد تک قابل اعتبار ہیں، باقی روایات میں ان کے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال للذهبی ج۴ص۵۷۵،تهذیب التهذیب لابن حجر ج۷ص۱۲۷)

میں مذہبی آزادی کا اصول تسلیم کرلیا ہے، اور ہر ملک میں ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی دی گئی ہے، اس لیے آج کے حالات میں کسی غیر اسلامی ملک کے زیر اثر زیادہ سے زیادہ جن مسائل میں کسی مسلمان کے متاثر ہونے کا امکان ہے وہ اقتصادی مسائل ہیں مگر ان کا بڑا حصہ قانون اسلامی سے متصادم نہیں ہے، بلکہ بڑی حد تک اسلامی قوانین سے ہم آہنگ ہے۔

بلکہ آج کا تجربہ تو یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکوں کے مسلمان جس صلابت اور شدت کے ساتھ دین پر قائم ہیں، اسلامی ملکوں کے بیشتر مسلمان اس معیار پر نہیں اترتے، وہ دین کو پوری محبت کے ساتھ سینہ سے لگائے ہوئے ہیں کہ کہیں یہ ہم سے چھوٹ نہ جائے، جب کہ اسلامی ملکوں کے اکثر مسلمان محض روایتی طور پر دین پر قائم ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل

جمہور فقہاء جواز کی رائے رکھتے ہیں، اور اس کیلئے ان کے پیش نظر بعض اہم بنیادیں ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ...... نے فتح مکہ کے روز ارشاد فرمایا:

لاھجرة ولکن جھاد ونیة واذا استنفرتم فانفروا۔ (بخاری، کتاب الجھاد، باب لاھجرة بعد الفتح ج۱ص۴۳۳، حدیث۳۰۷۷ المسلم، کتاب الامارة باب المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجھاد، حدیث۴۸۰۳)

ترجمہ: اب ہجرت کا حکم باقی نہیں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے، جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو جہاد کے لیے نکلو۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب پورے علاقۂ عرب میں امن قائم ہوگیا، اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو ہجرت مدینہ کا حکم منسوخ کردیا گیا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف مکہ مکرمہ ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کو ان کے اسلامی امور کی بجا آوری میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اس میں داخل ہے۔ (فتح الباری، شرح بخاری ج۶ص۲۳۳-۲۳۴)

علامہ خطابیؒ اور شوکانی کا بیان ہے کہ ابتداء اسلام میں چونکہ مسلمان تعداد میں کم اور منتشر تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ ان کو کسی ایک مقام پر جمع کیا جائے، اس وقتی مصلحت کے پیش نظر ہجرت مدینہ کا حکم عبوری طور پر دیا گیا، لیکن جب مسلمان تعداد میں بڑھ گئے اور ان کی قوت بھی کافی حد تک مستحکم ہوگئی، جس کا علامتی مظاہرہ فتح مکہ کی صورت میں ہوا، تو ہجرت مدینہ کا یہ حکم اٹھالیا گیا۔ (معالم السنن للخطابی ج۲ص۲۰۲، نیل الاوطار للشوکانی ج۸ص۲۶)

(۲) رسول اللہ...... نے فتح مکہ سے قبل بعض صحابہ کو مکہ میں رہنے کی اجازت دی جب کہ مکہ، فتح مکہ سے قبل دار الکفر تھا، مثلاً اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کو حضور نے مکہ میں رہنے کی اجازت دی، اسلئے کہ ان کے بارے میں دینی

رہی حضرت سمرۃ بن جندب والی روایت تو اس کے دونوں طرق ضعیف ہیں، پہلے طریق کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ادریس ہیں جن کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ یحییٰ بن معین نے ان کو کذاب اور حدیث گھڑنے والا کہا ہے، دار قطنی نے ان کو منکر الحدیث، اور نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال للذہبی ج۱ص۱۸۴، المجموع فی الضعفاء والمتروکین لعبدالعزیز السیروان ص۲۸۳)

دوسرے طریق کی سند کے بارے میں ذہبی کا خیال ہے کہ لائق استدلال نہیں ہے۔(نیل الاوطار للشوکانی ج۸ص۲۵)

اس لیے کہ سند میں ایک راوی سلیمان بن موسیٰ ابوداؤد متکلم فیہ راوی ہیں، ان کے بارے میں نسائی کہتے ہیں کہ حدیث میں مضبوط نہیں ہیں، ابن حجر کہتے ہیں کہ ''فیہ لین'' ان میں کچھ نرمی ہے، بخاری کہتے ہیں ''لہ مناکیر'' کہ یہ منکر روایات بھی نقل کرتے ہیں۔(عون المعبود شمس الحق عظیم آبادی ج۷ص۴۷۷، المجموع فی الضعفاء والمتروکین ص۱۱۶-۴۴۲)

اور اگر یہ روایات درست بھی ہوں تو بھی ان کا اطلاق عموم کے ساتھ غیر اسلامی ملکوں پر نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کا مصداق صرف وہ ممالک قرار دیئے جائیں گے جہاں مسلمانوں کے لیے دین پر آزادانہ عمل کی راہ میں مشکلات ہوں، اور ہجرت کے سوا اسلامی زندگی گذارنے کی کوئی صورت موجود نہ ہو،......اور اگر اس روایت کو اس کے پس منظر کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو بات بہت زیادہ صاف ہوجاتی ہے، یہ حدیث جس پس منظر میں رسول اللہ...... نے ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ...... نے ایک سریہ قبیلہ بنوخثعم کی طرف بھیجا تو کچھ لوگوں نے سجدوں کی ڈھال اختیار کرلی یعنی سجدے میں چلے گئے تاکہ مجاہدین ان کو مسلمان جان کر قتل نہ کریں، مگر مجاہدین کی تلوار سے وہ حضرات محفوظ نہ رہ سکے، جب کہ فی الواقع وہ مسلمان تھے، حضور اکرم......کو اس کی خبر ملی تو آپ...... نے ان کے لیے نصف دیت کا حکم جاری فرمایا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہائش پذیر ہو۔(جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۵ص۲۲۹)

عقلی استدلال:

ایک عقلی دلیل یہ دی جاتی ہے۔ایک مسلمان کے غیر اسلامی ملک میں جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے آپ کو اسلامی قوانین کے سایہ سے نکال کر غیر اسلامی قوانین کے لیے پیش کررہا ہے، ظاہر ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔(مقدمات ابن رشد مع المدونۃ الکبری ج۹ص۳۱۵۹، المدونۃ الکبری للامام مالک ج۵ص۱۵۶۵)

مگر اس دلیل کی معنویت آج کے دور میں باقی نہیں رہی، اس لیے کہ تمام اقوام وممالک نے اپنے اپنے دستور

فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں تھا۔اور ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بنا پر کفار ان کو جانی و مالی نقصانات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دارالکفر میں اگر دین وایمان اور جان و مال کے تحفظ کا یقین ہو تو قیام کرنے کی اجازت ہے۔(الأم للشافعي ج۲ص۱۶۹، المغني لابن قدامه ج۱۰ص۵۵، السنن الكبرى للبيهقي ج۹ص۱۵)

البتہ حضرت عباسؓ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہجرت کی قدرت نہیں رکھتے تھے،اس بنا پر حکم ہجرت سے ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا تھا، جو عام مستضعفین کا حکم ہے۔

(۳) بعض صحابہ نے مکہ میں کفار کی اذیتوں سے مجبور ہو کر حبشہ کی عیسائی سلطنت کا رخ کیا اور وہیں مقیم ہو گئے، اور جب تک اللہ نے ہجرت مدینہ کی سبیل نہیں پیدا کی وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ بعض صحابہ رسول اللہ...... کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد بھی حبشہ ہی میں مقیم رہے،اور یہ سب کچھ رسول اللہ......کی مرضی کے مطابق ہوا۔

خود نجاشی مسلمان ہونے کے بعد اپنی غیر اسلامی سلطنت میں مقیم رہا، جب کہ وہ اپنے وسائل کی بدولت مدینہ ہجرت کرنے کی قدرت رکھتا تھا،لیکن رسول اللہ......کی اجازت سے وہ حبشہ میں مقیم رہا،اور جب اس کا انتقال ہوا تو حضور......نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اور فرمایا:

مات اليوم رجل صالح. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج۷ص۲۴۲، كتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشي، حديث ۳۸۷۷)

ترجمہ: آج ایک صالح شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔

(۴) مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی،اور ان سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا،تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''اب ہجرت کا حکم نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول......کی طرف ہجرت کا حکم اس وقت تھا جب مسلمانوں کے لیے دینی اعتبار سے فتنہ کا اندیشہ تھا،اس لیے مسلمان مختلف علاقوں سے سمٹ کر رسول اللہ......کے زیر سایہ مجتمع ہو گئے، لیکن اب اللہ نے اسلام کو فروغ دے دیا ہے اس لیے اب جو شخص جہاں چاہے رہ کر اپنے پروردگار کی عبادت کرے، البتہ جہاد اور نیت کا حکم اب بھی باقی ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح بخاري ج۷ ص ۲۸۶، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب السير، باب الرخصة في الاقامة بدار الشرك لمن لايخاف الفتنة ج۹ص۱۷)

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا اشارہ اس جانب ہے کہ ہجرت کا حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ فتنہ کی علت کے ساتھ مربوط ہے، علت موجود ہوگی تو حکم پایا جائے گا، علت نہیں رہے گی تو حکم بھی باقی نہ

رہے گا، اس طرح وہ ممالک جہاں دینی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے فتنہ نہ ہو وہاں اقامت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور وہاں مقیم مسلمانوں کے لیے ہجرت واجب نہیں۔ (فتح الباری لابن حجرؒ ج ۷ ص ۲۹۰)

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی غیر اسلامی ملک میں آزادانہ طور پر دین پر عمل کرنے کی قدرت ہو تو وہ دارالاسلام کے حکم میں ہے، اور دارالاسلام کے مقابلے میں مسلمانوں کا وہاں قیام کرنا زیادہ باعث فضیلت ہے، اس لیے کہ اس میں اسلام کی دعوت واشاعت کے امکانات زیادہ ہیں۔ (الحاوی للماوردی ج ۱۸ ص ۱۱۱)

قول راجح: غور کرنے سے جمہور کا موقف ہی زیادہ مضبوط معلوم پڑتا ہے، اور اس کے کئی اسباب ہیں:

(۱) عدم جواز کے لیے جو روایات پیش کی گئی ہیں، وہ عموماً طعن سے خالی نہیں ہیں، اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان کا محل وہ ممالک قرار پا سکتے ہیں جہاں مسلمانوں کے لیے دینی لحاظ سے خطرہ درپیش ہو، اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ جب کسی دلیل میں دوسرا احتمال پیدا ہو جائے تو وہ کسی ایک معنی کے لیے متعین نہیں رہ جاتے، اور اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

(۲) نیز غیر اسلامی ممالک کی صورت اب قطعاً مختلف ہو گئی ہے، آج ان ممالک میں فکر وعقیدہ اور اظہار خیال کی جو آزادی ہے، اللہ مجھے معاف کرے، وہ بہت سے اسلامی ملکوں میں بھی میسر نہیں ہے، آج وہاں اسلامی ادارے، مساجد، مدارس اور دینی تحریکات وتنظیمات کی خاصی تعداد خدمت دین میں مصروف ہیں، اور ان کے لیے کوئی سیاسی یا قانونی رکاوٹ نہیں ہے، بڑے بڑے اہل علم، اور اہل تحقیق موجود ہیں جو مختلف ممالک سے مختلف اسباب کے تحت وہاں پہنچ گئے ہیں، اس لیے آج ان ممالک میں نہ اسلام کے لیے خطرہ ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان ممالک میں مقیم مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا جائے، یا مسلمانوں کے وہاں داخلہ یا اقامت کو ممنوع قرار دیا جائے۔

(۳) اور اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ تمام غیر اسلامی ممالک کو اسلام اور مسلمانوں کے وجود سے خالی کر دیا جائے، اس طرح کی بات کم از کم آج کے دور میں کوئی دانشمند شخص نہیں کر سکتا، علاوہ ازیں تمام مقیم مسلمانوں کی ہجرت اور نقل مکانی میں آج کے دور میں جو مشکلات اور دشواریاں ہیں وہ اپنی جگہ ہیں، یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ما جعل علیکم فی الدین من حرج (سورۂ حج: ۷۸)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، مشکل نہیں چاہتے۔